© rasailojaraid.com

ملّا صدرا کا رسالہ "وحدۃ الوجود"

(ایک تعارف)

جناب غلام یحییٰ انجم صاحب، شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

صاحب اعیان الشیعہ کے قول کے مطابق جن چار عبقری شخصیتوں کو علوم و فنون کا ہمالہ بطور خاص فلسفہ و کلام کا ستون سمجھا جاتا ہے ان میں معلم ثانی ابونصر فارابی (متوفی ۳۳۰ھ تقریباً) شیخ رئیس ابن سینا (۳۷۲ - ۴۲۷ھ) خواجہ نصیرالدین طوسی (۵۹۷ - ۶۷۳ھ) کے بعد چوتھے مُلّا صدرا محمد بن ابراہیم صدرالدین شیرازی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر غلو کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً کہہ دیا جاتا کہ علمی اعتبار سے ملّا صدرا کی حیثیت مذکورۃ الصدر حضرات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے خاص کر مکاشفہ اور عرفان و وجدان کے معاملہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں[1] چنانچہ ان کی عبقریت کے اعتراف میں قوم نے انھیں "صدرالمتألھین" اور "صدر المحققین" کا خطاب دیا ہے۔

---

[1] محسن امین اعیان الشیعہ ۴۵/۱۰۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس جلیل القدر شخصیت کی سن ولادت تقریباً ۹۸۰ھ ہے کیونکہ انھوں نے ۱۰۵۰ھ میں ساتویں بار حج سے واپسی میں ستر سال کی عمر پاکر وفات پائی۔

علمی نشوونما کے متعلق اتنا ملتا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار ابراہیم بن یحییٰ الشیرازی القوامی سے حاصل کی جس کی تکمیل اصفہان جاکر ان دو نابغۂ روزگار شخصیتوں سے کی جن کا سکہ معقولات کی دنیا میں اب بھی رائج ہے۔ یعنی شیخ بہاء الدین محمد العاملی (۹۵۳ - ۱۰۳۱ھ) اور میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) ہیں جو نظریۂ حدوث دہر کے بانی ہیں اور جن کی شان میں اختلاف کرنے کے باوجود ملا محمود (متوفی ۱۰۶۲ھ) جیسے فلسفیٔ اعظم ہندوستان شمس بازغہ میں فرماتے ہیں:

"خیبة اللہ الیقیں بالمهرة السابقین مع توغلہ فی
سیاحة ارض الحقیقة وتوسطہ سباحة
یم الحکمة ووجودہ فی اعماق ثری الملک
باقدام انظارہ الغائرة وعروجہ عن
اطباق سماء الملکوت بقوادم افکارہ السافرة"[1]

انھی مؤخر الذکر استاد کی صحبت میں ملّا صدرا نے عمر کا بیشتر حصہ گذارا اور انھیں کی روش پر چل کر اہل علم وفضل میں اس طرح شہرتِ دوام حاصل کی کہ آپ کے بارے میں کہا جانے لگا:

انہ اجلُّ فلاسفة العصر الاموی شاناً واعظمہم
خطراً حتی لقد بلغ من دقة البحث وعمق

---

[1] ملّا محمود شمس بازغہ ص ۲۵۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فکیف طرائفه التحقیق مبلغا فی منزلة تعلو
بعد منزلة کل من ارسطو و ابن سینا" [۱]

حسن ذروہ فضل و کمال پر موصوف فائز تھے متاخرین میں سے کسی کی ان تک رسائی ممکن نہ ہو سکی اور متقدمین میں سے کم ہی اس رتبہ سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ صاحب روضات لکھتے ہیں:

"کان فائقاً علی سائر من تقدم من الحکماء
الباذخین والعلماء الراسخین الی زمن مولانا
الخواجه نصیر الدین منقحا اساس الاشراق
بما لا مزید علیه ومفتحا ابواب الفضیحة
علی طریقة المشاء الرواق" [۲]

اسی قول کی روشنی میں فلاسفہ متقدمین و متاخرین دونوں کے درمیان ان کی شخصیت روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔

اس عبقری روزگار نے اپنے وقت عزیز کا بیشتر حصہ درس و افادہ کے علاوہ کتب و رسائل کی تصنیف میں بھی صرف کیا جن کی تعداد بعض سوانح نگاروں کے قول کے مطابق ۳۳ بتائی جاتی ہے۔ ان میں شرح ہدایت الحکمۃ "صدرا" کے نام سے مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول ہے۔ دوسری کتاب "اسفار اربعہ" ہے جو شیخ کی "شفاء" محقق طوسی کی "تجرید" امام رازی کی "محصل" میر باقر داماد کے "افق المبین" کے دوش بدوش فلسفہ کی منتخب ادبیات عالیہ میں

---

[۱] دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۳۶/۱۴) مطبوعہ تہران۔
[۲] خوانساری۔ روضات الجنات ص ۳۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمار ہوتی ہے چنانچہ اس کتاب کی عظمت کے بارے میں محقق شیخ محمد حسین الاصفہانی (متوفی ۱۳۶۱ھ) فرماتے ہیں:

"لو علم احد انّی افہم اسرار کتاب الاسفار لشددت الیہ الرحال للتلمذ علیہ و ان کان فی اقصی الدیار" [۱]

تیسری اہم تصنیف شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول (۵۵۰ - ۵۸۶ھ) کی "حکمۃ الاشراق" جو علامہ قطب الدین شیرازی (۶۳۴ھ - ۷۱۰ھ) نے شرح لکھی تھی اس کا حاشیہ ہے جو حکمت اشراق کے موضوع پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب و تصوف جس کا خاص اور اہم موضوع "وحدت الوجود" ہے ملا صدرا نے اسی کی تعلیم دی ہے اور اسی موضوع کے تحت متعدد رسالے لکھے ہیں۔ انہی میں سے ایک رسالہ "وحدت الوجود" جو خوش قسمتی سے مولانا آزاد لائبریری کے یونیورسٹی کلکشن میں فارسیہ و مذہب و تصوف ۲۴۹ نمبر کے تحت محمد محسن عباسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جس پر سن کتابت ۱۲۱۸ھ مندرج ہے۔ رسالہ زیادہ طویل و ضخیم نہیں ہے مگر اس ایجاز و اختصار میں مَاقَلَّ وَدَلَّ کی شان پیدا ہے۔ ذیل میں مطالب مبحوثہ کا خلاصہ دیا جارہا ہے جس سے اس کی اہمیت ہویدا ہوگی۔ رسالہ کی ابتدا اس حقیقت حقّہ سے ہوتی ہے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور تمام علمی و حکمی سرگرمیوں کی غایت الغایات ہے یعنی صانع عالم کے وجود پر یقین جسے زبان شرع میں ایمان باللہ کہتے ہیں۔ مصنف رسالہ فرماتے ہیں:

---

[۱] محسن امین اعیان الشیعہ ص (۵/۴/۱۰۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بداں وفقک اللہ تعالیٰ کہ جمیع عقلاء اتفاق دارند براینکہ موجود یا مافی ثابت و متحقق است"

پھر نظریۂ وحدت الوجود کے اثبات میں مصنف نے عقلی و برہانی دلائل بھی دیے ہیں اور اس عقیدہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآنی شواہد سے بھی استشہاد کیا ہے لیکن اس باب میں زیادہ اہم اول الذکر ہے یعنی نظریۂ وحدۃ الوجود کا عقلی و برہانی دلائل سے اثبات۔ مصنف نے تو ضیۂ مقصد کے لئے اس سے پہلے ایک خاص طویل تمہیدی ہے جس کے دو جز ہیں۔ پہلا جز تین افادات پر مشتمل ہے۔

(۱) افادۂ اول کا کہنا ہے کہ ایمان باللہ ایک کائناتی حقیقت ہے جس پر جملہ عقلائے روزگار کا اتفاق ہے اور یہ عقیدہ ان کے قلوب میں اس درجہ راسخ ہے کہ بداہت کی حد تک پہونچ گیا ہے یعنی اتنا ہی بدیہی (A. PRIORI) ہے جیسی یہ حقیقت کہ کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے۔

(۲) افادۂ دوم کا کہنا ہے کہ اس عقیدہ کی ہمہ گیری کے باوجود باری تعالیٰ کی کنہ د حقیقت ہنوز پردۂ خفا میں ہے اور

رازِ ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود

(۳) افادۂ سوم ایک تاریخی توجیہ ہے جو مفکرین عہد اسلام کی جماعت بندی سے متعلق ہے اس کی رو سے حصول معرفت باری کے دو طریقے ہیں استدلال یا کشف و شہود ــــ پھر طالب معرفت یا کسی نبی کا پیرو ہوگا یا انبیاء و مرسلین کی اتباع سے بے نیاز ہوگا اس کے نتیجے میں مفکرین کی چار جماعتیں ظہور میں آئیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جو استدلال سے کام لیتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متکلمین کہلائے۔

۲۔ لیکن اتباع رسول کے باوجود جو حضرات ریاضت و مجاہدہ اور کشف و شہود پر اعتماد کرتے تھے وہ صوفیائے کرام کہلائے۔

۳۔ اتباع رسول سے بے نیاز ہو کر جن لوگوں نے نظر و استدلال سے کام لیا وہ حکمائے مشائین کہلائے۔

۴۔ اور اگر مؤخر الذکر نے مجاہدہ و... پر بھروسہ کیا وہ حکمائے اشراقین کہلائے۔

ظاہر ہے یہ وہی تقسیم ہے جو حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ ھ) نے کشف الظنون میں "حکمۃ الاشراق" کے تحت دی ہے اس لئے یا تو مصنف ...س کے لئے حاجی خلیفہ کی خوشہ چینی کی ہے یا حاجی خلیفہ نے مصنف سے استفادہ کیا پھر دونوں کسی تیسرے مشترک ماخذ کے رہین منت ہیں۔

دوسرے جز کے افادات میں مرکزی حیثیت "وجود مطلق" کے تصور کو دی گئی ہے کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کا سنگِ بنیاد یہی تصور ہے۔

وجود مطلق کے تصور کا نخز مایہ کیا ہے اور کس طرح اس نے ارتقاء کی منازل طے کیں اور پھر کس طرح یہ اسلامی فکر میں داخل ہوا بالخصوص اندلس کی فکری سرگرمیوں میں جن کے گرامی منزلت نمائندے شیخ اکبر تھے جو اسلامی فکر میں اس عقیدے کے بادی یا علی الاقل ممثل اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل ایک تفصیلی جائزے کی مقتضی ہے مگر چونکہ اس عاجز کی عرضداشت کا مقصد صرف اس رسالہ کا تعارف کرانا ہے اس لئے دوسری تفصیلات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

بہر حال مصنف نے اس پوری بحث کا آغاز "وجود" کے مختلف مفاہیم و مصادیق کے ذکر سے کیا ہے۔ انھوں نے وجود کے صرف دو مصداق بتلائے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- معنی مصدری جس کا مفہوم بودن یا شدن ہے یعنی ہونا۔

۲- دوسرا مفہوم وہ امر ہے جس کی بنا پر کوئی موجود موجود ہوتا ہے۔

اس معنی میں وجود واجب کا بھی ہوتا ہے اور ممکن کا بھی۔ لیکن واجب تعالیٰ میں یہ وجود عین ذات باری ہوتا ہے مگر ممکن میں اس کے بارے میں اختلاف ہے اس طرح حسب تصریح شرح مواقف (الموقف الثانی المرصد الاول بمقصد ثالث) اس باب میں تین مذاہب ہیں؛ امام ابوالحسن الاشعری (۲۷۰ — ۳۳۰ھ) اور معتزلہ میں سے ابوالحسین البصری (متوفی ۴۳۶ھ) کا کہنا ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں ماہیت (یا ذات) کا عین ہوتا ہے مگر حکماء کہتے ہیں کہ واجب میں تو عین ماہیت ہوتا ہے مگر ممکن میں غیر ماہیت۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ واجب اور ممکن دونوں میں وجود و ماہیت ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں اور وجود ماہیت پر زائد ہوتا ہے مگر مصنفِ رسالہ نے ان مذاہب ثلاثہ میں سے صرف دو مذہبوں کو بیان کیا ہے۔

زاں بعد انھوں نے اسمِ اللہ کے مسمّیٰ کو متعین کیا ہے کہ اللہ عَلَم ہے ذات واجب الوجود کے لئے جو جمیع صفاتِ عالیہ سے متصف اور تمام سمات نقص وحدوث سے منزّہ ہے۔

اس کے بعد اس ذات پاک کے باب میں جو اللہ کا مسمّیٰ ہے تین مذاہب بیان کیے ہیں، متکلمین کا، حکماء کا، اور صوفیاء کرام کا۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ذات نمبر ۱ حقیقی جزئی ہے۔ نمبر ۲ خارج اور ذہن دونوں میں بسیط ہے اور نمبر ۳ اس کی صفات اس پر زائد ہیں (یہاں مصنف رسالہ وحدۃ الوجود نے جمہور علمائے علم کلام سے اختلاف کیا ہے کیونکہ جب کہ معتزلہ وغیرہ صفات کو غیر ذات مانتے ہیں اشاعرہ لاعین و لاغیر کہتے ہیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکماء کا بھی یہی مسلک ہے مگر وہ صفات کو عین ذات گردانتے ہیں لیکن صوفیاء کرام کا مسلک جو تفصیل چاہتا ہے مصنف نے اس باب میں ان کے تین فریق گردانتے ہیں اور اس تفریق کا منشار واجب کے ساتھ ممکن کا اعتبار ہے چنانچہ:

ایک فریق متکلمین وحکماء کی طرح واجب تعالیٰ کو بھی جزئی حقیقی سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ جمہور اہل شریعت کی طرح ممکن کو بھی حقیقی سمجھتا ہے نیز انھیں کی طرح واجب اور ممکن کو ایک دوسرے کا مغائر ومباین۔ دوسرا فریق بھی واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی سمجھتا ہے مگر ممکن کو موجود نفس الامری نہیں سمجھتا بلکہ سراب کی طرح واہمہ محض گردانتا ہے یا بالفاظ دیگر:

ذات واجب نے صور متعددہ اور اشکال مختلفہ میں خود کو ظاہر کیا ہے پس خارج ہو یا ذہن دونوں میں صرف وہی ذات موجود ہے۔ سے دوسرے موجودات جنھیں عرف عام میں ممکنات کہا جاتا ہے سو وہ معدوم محض ہیں اور ان کی موجودیت محض وہمی وخیالی ہے۔

لیکن اس تقدیر پر شریعت ہو یا قانون ملکی (PUBLIC LWA) دونوں کے اوامر ونواہی باطل قرار پاتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود ہی نہیں تو پھر وہ کسے حکم دے رہا ہے کہ نماز پڑھ یا نیک کام کر اور کسے منع کر رہا ہے کہ برے کام نہ کر اور کسی کو قتل نہ کرے

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اس لئے ایک تیسرا فریق کھڑا ہوا اور اس نے کلی وجزئی اور عینیت وغیریت کے امتیاز ہی کو ختم کر دیا ان کے نزدیک واجب تعالیٰ شانہ جزئی حقیقی نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ وجود مطلق ہے لابشرط شیئ یعنی اس میں کوئی قید وتقید نہیں ہے جب وہ موجودات جنھیں عرف عام میں ممکنات سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دوسرے فریق صوفیاء کی طرح وہمی وخیالی نہیں ہیں بلکہ وہ بھی واقع میں موجود ہیں مگر اسی واجب تعالیٰ کے اسی وجود (وجود مطلق) کے ساتھ۔

اسی طرح تمام موجودات (بالعرف عام کے ممکنات) عین باری تعالیٰ ہیں اور اسی کے وجود کے ساتھ موجود ہیں اور وجود مطلق لابشرط شیئ ہے۔

اس نئے مذہب کے اختراع کے ساتھ انھوں نے اس معاشرتی اشکال کو مندفع کردیا جو دوسرے فریق کے یہاں ممکنات کو اوہام وخیالات کہنے سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نیکی وبدی کا امتیاز ہی مٹ رہا تھا اور اباحت مطلقہ کی ترویج واشاعت کا راستہ صاف ہو رہا تھا۔

اس لئے انھوں نے اس وجود مطلق لابشرط شیئ کے ظہور کے لئے دو مرتبے اختراع کیئے۔

۱۔ مرتبہ اطلاق جس میں وہ جملہ قیود وشرائط سے خالی اور متعالی ہے اس مرتبہ میں وہ وجود مطلق معبود ہے، اور

۲۔ مرتبہ تقیید جس میں وہ تعینات وتشخصات سے متصف ہوتا ہے یہاں وہ عابد وبندہ ہے اور معبود حقیقی کے جملہ اوامر ونواہی کے بجالانے کے لیئے مکلف ہے، اس طرح انبیاء ورسل کی بعثت وارسال اور کتب مقدسہ الٰہیہ کے نزول وانزال کی ضرورت وافادیت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

وحدت الوجود یا PANTHEISM کی اس توجیہ کی رو سے عابد ومعبود اور آمر ومامور میں واجب تعالیٰ مرتبۂ اطلاق میں وجود مطلق سے متصف ہے مگر ممکنات مرتبہ تقیید میں اس سے متصف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف فرماتے ہیں کہ،

"مخفی نہ رہے کہ اس عینیت میں وجود کا شعور بڑے سخت مجاہدہ اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے":

"وایں عینیت مخفی می ماند و بعد مجاہدہ و ریاضت منکشف می شود"

اس کے بعد وہ وحدت شہود کی حقیقت بتاتے ہیں یہ ایک مخصوص کیفیت کا نام ہے جس کے نتیجے میں دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ اس نور کے بریق و لمعان میں عرش سے لے کر فرش تک جملہ ماسوائی باری تعالیٰ اس طرح چھپ جاتے ہیں جس طرح سورج کی روشنی میں دوسرے ستارے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ موجود ہوتے ہیں اسی طرح ماسوائے باری تعالیٰ جملہ ممکنات موجودہ حقیقتاً موجود ہیں مگر وحدت الوجود کی رو سے عارف کی نظر میں نابود محض ہو جاتے ہیں۔ اور اسے صرف ذات باری تعالیٰ شانہ ہی کا شعور باقی رہ جاتا ہے۔

یہ تمہید تھی جسے مصنف علّام نے نظریۂ وحدت الوجود کی عقلی توجیہ کے لئے قائم کیا تھا انھوں نے اس طول طویل تمہید کا خلاصہ آخر میں بدیں طور دیا ہے

اللہ عَلَم ہے ذات واجب الوجود کے لئے۔ اور اس ذات کے بارے میں اختلاف ہے۔

۱۔ حکماء و متکلمین کے نزدیک یہ ذات متبع الصفات جزئی حقیقی ہے اور جملہ موجودات حقیقۃ موجود ہیں اور واجب تعالیٰ سے مباین و مغایر ہیں۔

۲۔ صوفیاء کرام کے اس باب میں دو گروہ ہیں:

(الف) ایک گروہ واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی قرار دیتا ہے اور موجودیت کو صرف اسی ذات واجب تعالیٰ میں منحصر گردانتا ہے رہے ممکنات تو وہ واہیم محض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور ان کا وجود اعتباری ہے۔

(ب) دوسرے گروہ کے نزدیک واجب الوجود کی حقیقت وجود مطلق ہے جو نہ عام ہے نہ خاص اور تمام شرائط وقیود سے منزہ ومتعال ہے۔ رہے ممکنات (یا عالم خارجی) تو وہ بھی اسی وجود مطلق کے ساتھ موجود ہیں (مگر مرتبہ تقیید میں) اس طرح واجب وممکن من وجہٍ عینِ یکدیگر ہیں اور من وجہٍ ایک دوسرے کے غیر ومباین۔

مصنف اسی توجیہ کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہ جامع شریعت وطریقت ہے اور سرِ مو جادۂ مستقیم سے متجاوز نہیں ہے۔

اس خلاصہ مقال کے بعد انھوں نے نفس مسئلہ یعنی نظریۂ وحدت الوجود کے اثبات کو لیا ہے مگر یہاں انھوں نے منطقی ثبوت کے بجائے تمثیل سے کام لیا ہے اور واجب تعالیٰ کو وجود مطلق ثابت کرنے کے لئے موجودات کے مراتب وجود کی صف بندی (CLASSIFICATION) کی ہے اس کے لئے انھوں نے پہلے اشیاء منورہ کے اشراق و درخشانی کی صف بندی کی ہے کہ ان اشیاء منورہ کی نورانیت میں تین مرتبے ہیں:

مرتبہ اول: جبکہ روشن چیز اسی نور سے منور ہو جو اپنے علاوہ کسی غیر سے حاصل کیا ہو جیسے وجود زمین کہ وہ اس نور سے روشن ہوتی ہے جسے وہ سورج سے حاصل کرتی ہے یہ حضوریت کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مرتبہ میں شے منور سے نور کا انفکاک ذہناً وخارجاً جائز وواقع ہے تاہم یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ زمین موجود ہو مگر اندھیری یعنی روشنی معدوم ہو اور واقعتاً بھی ایسا ہوتا ہے رات کے وقت زمین موجود ہوتی ہے مگر اندھیری اور نور سے خالی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتبۂ دوم : شئے منوّر ایسے نور سے روشن ہو جو خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہو، کسی غیر سے حاصل و مستفاد نہ ہو بایں ہمہ وہ شئے عین نور نہیں ہوتی۔

اس کی مثال خود سورج ہے کہ اس کی روشنی خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہے بایں ہمہ سورج اور شئے ہے اور اس کی روشنی شئے دیگر۔

اس طرح یہ نور آفتاب خارج میں آفتاب سے جدا اور منفک نہیں ہو سکتا مگر چونکہ نور آفتاب کا غیر ہے اس لئے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر ذہناً نور کا آفتاب سے انفکاک ممکن ہے اگرچہ خارج میں یہ جائز نہیں ہے۔

مرتبۂ سوم : شئے منوّر خود اپنے ہی نور سے روشن ہو اور اپنی نورانیت میں کسی اور چیز کی محتاج نہ ہو اس کی مثال خود نور کی ذات ہے کہ اپنی ذات ہی کی بنا پر منور ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں ظاہر و عیاں ہے اور اپنے ظہور کے لئے کسی دوسرے نور کا جو اس کے کسی غیر سے حاصل ہو محتاج نہیں ہے۔

اس نور کا انفکاک خود سے نہ خارجاً جائز و ممکن ہے اور نہ ذہناً کیونکہ وہ اپنی ذات سے منفک نہیں ہو سکتی۔

ان مراتب سہ گانہ کا ایک مرتبہ پھر گوشوارہ دیتے ہیں۔

<u>مرتبۂ اول</u> میں وہ روشن چیز منوّر بالغیر ہوتی ہے جیسا کہ زمین جو سورج کے نور سے منوّر ہے۔ یہاں تین چیزیں ہیں زمین، روشنی اور آفتاب اور تینوں باہم متغائر ہیں۔

<u>مرتبۂ دوم</u> میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس نور سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود جیسا کہ آفتاب منور بالذات ہوتا ہے مگر وہ نور غیر سے حاصل ہوتا ہے یعنی نور سے اس مرتبہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں آفتاب اور نور جو دونوں باہم مغائر و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباین ہیں۔

مرتبہ سوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس کے نور سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود اس کی ذات ہی ہوتی ہے جیسے خود نور کہ روشن ہے اپنی ہی ذات سے۔ اس مرتبہ میں وہ صرف ایک ہی چیز ہوتی ہے یعنی نور۔

اور یہ مرتبہ افضل ترین مرتبہ نورانیت ہے۔

اسی تمثیل کی بنیاد پر مصنف نے موجودات کی صف بندی کی ہے۔

مرتبۂ ادنیٰ میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اسے موجد سے حاصل ہوتا ہے اس مرتبہ میں تین چیزیں ہیں موجود، وجود، اور موجد۔ اسی مرتبہ میں موجود .... اپنے وجود سے خارجاً نیز ذہناً منفک اور جدا ہو سکتا ہے۔

مرتبۂ اوسط میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اس کی ذات کا مقتضیٰ ہوتا ہے جس طرح متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ جو بذات خود مقتضیٰ وجود ہے۔ اس مرتبہ میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں موجود مقتضیٰ اور وجود جو اس موجود حقیقی (واجب الوجود) کا مقتضیٰ ہے ان دونوں میں خارجاً انفکاک ناممکن ہے اگرچہ ذہناً ممکن ہے۔

مرتبۂ اعلیٰ میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو خود ذاتِ موجود کا عین ہوتا ہے یہ وجود نہ اس موجود اعلیٰ کا غیر ہے اور نہ اس کے غیر سے مستفاد ہے اس لئے اس مرتبہ میں نور کی طرح ایک ہی چیز ہے یعنی وجود مطلق اور اسی طرح یہاں بھی وجود مطلق کا خود اپنے وجود سے انفکاک خارج اور ذہن دونوں میں محال اور ناقابل انفکاک ہے اور یہ موجودیت کا افضل ترین مرتبہ ہے مصنف فرماتے ہیں کہ عقل حاکم ہے کہ واجب تعالیٰ اعلیٰ مراتب وجود کے ساتھ متصف ہو اور موجودیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ بنفسہٖ وبذاتہٖ موجود ہو یعنی اپنی ہی ذات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری اشیاء کی موجودیت اسی کی محتاج ہو۔

اور موجود بنفسہٖ وجود مطلق ہے جس کی تفصیل اوپر گذری۔

پس واجب تعالیٰ عینِ وجود مطلق ہے جو مرتبۂ اطلاق میں معبود اور مرتبۂ تقیید و تنزل میں عابد ہے۔

آخر میں اس تمام استدلال کا خلاصہ بدیں طور بیان کرتے ہیں:

چاہیئے کہ واجب تعالیٰ اتم و افضل ترین مراتب وجود سے متصف ہو مگر وہ اتم و افضل ترین مرتبہ موجودیت صرف وہ وجود ہے جو بنفسہٖ وبذاتہٖ موجود ہے، جو اپنی موجودیت میں کسی دوسری شئے کا محتاج نہیں ہے۔ پس حقیقت واجب نہیں ہے مگر وجود مطلق جو موجود بنفسہٖ ہے اور باقی جملہ اشیاء اسی سے موجود ہوتی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ واجب الوجود وجود مطلق ہے جو بنفسہٖ موجود ہے اور باقی دوسری اشیاء اسی وجود سے موجود ہیں جیسا کہ نور جو بنفسہٖ روشن ہوتا ہے اور تمام دوسری اشیاء اسی سے روشن ہوتی ہیں۔

اپنے موقف کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے مصنف نے رسالہ کا اختتام شواہد قرآنی سے کیا ہے مگر ان کی تفسیر و تاویل میں اہل شریعت سے اختلاف ہو سکتا ہے اس لئے ان کے بیان سے صرف نظر کرنا ہی مستحسن ہوگا۔

آخر میں میں صاحب اعیان الشیعہ کے اس تبصرے کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے انھوں نے مصنف کی فلسفیانہ کتابوں کو دینی اور دینی کتابوں کو فلسفیانہ کہا ہے، فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نحق ان نعد کتب الفلسفۃ کتبا دینیۃ
ونعد کتب الدینیۃ کتبا فلسفیۃ ۔

اور یہ واقعہ ہے کہ اس کڑی کمان کو زہ کرنا جس میں نہ تو شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے اور نہ حکیمانہ تحقیق میں کوئی کوتاہی رہنے پائے اپنی جگہ ایک اہم علمی و دینی کارنامہ ہے جس کے لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے

در کفِ جام شریعت در کف سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حجاز و ماورائے حجاز

حجاز کی کہانی حجاج کی زبانی

جلد دوم

محمد عبد الملک عبد القیوم خاں

سائز $\frac{22 \times 18}{8}$ یہ کتاب خوبصورت جلد میں شائع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے جس کو ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس اعلیٰ معیاری کتاب کے مطالعے سے استفادہ حاصل کریں۔

قیمت مجلد عمدہ رنگین بیس روپے /20

اپنا آرڈر اس پتے پر بھیجدیں

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com